© rasailojaraid.com

صوفیائے کرام اور معرفت الٰہی

عذرا وقار

صوفیائے کرام جب اپنے تجربات بیان کرتے ہیں تو اکثر ان کو پیش آنے والے اسرار اور موز عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتے ہیں کیونکہ ایک تو عام لوگ ان احوال سے ناواقف ہوتے ہیں دوسرے ان کو بیان کرنے کے لئے جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں وہ بھی ان کے خاص علم تصوف سے منسوب ہوتی ہیں اور عام زبان میں ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتیں۔ پھر ان کی عبادات اور مشاغل بھی عام معمولات حیات سے ہٹ کر ہوتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی تمام ریاضتیں تعمیر ذات سے متعلق ہوتی ہیں۔ مجاہدے اور سخت عبادات ان کا معمول ہوتا ہے۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں اکیلے رہ کر ''چلے'' کاٹتے ہیں اور دنیا اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں لیکن تعمیر باطن کے اس مرحلے سے گذر کر وہ دوسروں کو بھی راہ حق کا راستہ بتاتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے خاص مریدوں کو بلکہ عام لوگوں کو بھی ان کی فہم و استعداد کے مطابق تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک پرامن، خوشحال اور صالح معاشرے کے قیام کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ ہمیشہ ظلم واستبداد اور استحصال کا مقابلہ کرتے اور ظالم و جابر حاکم کے سامنے بلا جھجک حق بات کہہ دیتے ہیں۔

اصلاح خیال تصوف کا دوسرا نام ہے۔ خیال اس وقت تک اصلاح پذیر نہیں ہوتا جب تک اس کا محاسبہ نہ ہو اور اپنے قول، فعل، کردار، گفتار، رفتار، اعتقاد اور نیت کو محاسبہ میں نہ لایا جائے۔ اس محاسبے کے عمل کو مکمل کرنے کے واسطے صوفیائے نے جو کسوٹی مقرر کی ہے وہ خدا کی خوشنودی ہے۔ اپنے آپ کو خدا کے بھیجے ہوئے احکام کی کسوٹی پر کس کے ہی وہ اپنے راستے اور اعمال کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ان احکامات کو سمجھنے اور جاننے کے لئے خدا کی ذات کا علم ضروری ہے۔ جسے صوفیاء کی زبان میں معرفت الٰہی سے موسوم کیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علم تصوف میں معرفت الٰہی کا مطلب ہے خدا کو جاننا اور پہچاننا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ”میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا تاکہ وہ مجھے پہچانیں (ترجمہ)۔[۱] خدا تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے اور اس کا تقرب حاصل کرنے کی راہ میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ انسان کی اپنی جہالت اور ناواقفیت ہے۔ ظاہر ہے جب انسان خدا کو جانے گا نہیں تو اس کی توجہ اس کی بندگی اور تقرب کی راہ اختیار کرنے کی طرف نہ ہو گی بلکہ اس کے دل میں اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ بندہ خدا کو جانتا تو ہو لیکن اس کا علم اس بارے میں صحیح نہ ہو تو اس صورت میں اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے جو راستہ اختیار کرے گا وہ بھی صحیح نہیں ہو گا۔ اس لئے لازم ہے کہ آدمی کے اندر خدا کی معرفت حاصل کرنے کے لئے جو علم ہو وہ صحیح ہو۔ چنانچہ جس قدر آدمی کے اندر خدا کی معرفت صحیح ہو گی اسی لحاظ سے اس کا عمل درست اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا مقام بلند ہوتا چلا جائے گا۔ اسی موضوع کو قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

انہوں نے اللہ کے بارے میں غلط اندازہ لگایا (ترجمہ)۔[۲] یعنی اللہ نے غلط سوچ اور غلط علم رکھنے والوں کو رد کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ کی حدیث ہے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کو پہچانتے۔ جیسا کہ اس کو پہچاننے کا حق ہے تو تم سمندر پر چلتے اور اپنی دعا سے پہاڑوں کو ہٹا دیتے[۳] اگر انسان خدا کا بندہ اور خلیفہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا کی مخلوق اس کے حکم سے سرتابی کرے اور اس کے آگے سرنگوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے بنایا کہ وہ تمام کائنات کو مسخر کر سکے۔ اس نے دنیا میں اپنی پہچان کیلئے بے شمار نشانیاں پیدا کیں تاکہ انسان ان پر غور کرے اور ان کے ذریعے ان کے بنانے والے کو پہچانے۔

مشائخ صوفیاء کے خیال میں جس طرح طبیب جانتا ہے کہ اس جہان فانی میں انسانی بدن کیلئے صحت باعث سعادت اور بیماری تکلیف دہ ہے۔ دوا پینا اور پرہیز کرنا سعادت بدن کا باعث ہے جب کہ پرہیز نہ کرنا اور منع کردہ اشیاء کا استعمال علالت کا باعث ہے اس طرح دل کے لئے سعادت معرفت الٰہی ہے جب کہ جہل مانند زہر ہے۔ چنانچہ جسم اور دل دونوں کی حفاظت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت صرف روح ہی میں سماتی ہے۔[۴] اور انسان روح اور جسم سے مل کر بنا ہے۔ جسم مادی اور روح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالم امر سے ہے۔ جس طرح جسم کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کی غذا معرفت الٰہی ہے اور جس طرح جسم کے اعضاء رئیسہ ہیں اسی طرح انسانی روح کے اعضاء رئیسہ ہیں جنہیں لطائف کہتے ہیں۔ مشائخ و محقق صوفیاء نے جسم انسانی میں اس کی نشاندہی کی ہے۔ جس میں مختلف سلاسل تصوف میں اختلاف بھی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ اولیسیہ میں ان کا تعین یوں ہے۔

قلب، قلب کے دائیں طرف روح، قلب کے اوپر سری، اس کے ساتھ دائیں طرف خفی، ان کے درمیان اخفاء، پیشانی پر نفس اور سلطان الاذکار میں سارا بدن شامل ہے کہ ہر بن مو سے اللہ اللہ کا ذکر جاری ہو جائے۔ معرفت الٰہی کے لئے روح اور لطائف درکار ہیں اور روح کی حفاظت کے لئے جسم ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی لحاظ سے کمزور پیدا کیا ہے لیکن اسے اس قابل بنایا ہے کہ وہ کمال حاصل کر سکے اور صورت ملکوتی کو اپنا نقش دل بنالے تاکہ بارگاہ قدس کے لائق ہو سکے۔ لیکن جب تک اس کے دل کی آنکھ نہ کھلے اور وہ اپنے رب کے لازوال جمال کو پہچان نہ لے وہ اس کا نظارہ و مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ خدا کی معرفت خدا کی پہچان سے پیدا ہوتی ہے اور اس کی صفتوں اور مخلوق کی پہچان ہی اس کے قریب ہونے کی طرف پہلا قدم ہے۔ انسان خدا کو جاننے کے لئے ہی اس دنیا میں بھیجا گیا ہے لیکن اس مقصد کے لئے اسے اپنے بدن اور دل کو غیر اللہ سے پاک کرنا ہوتا ہے اور اسے مناسب خوراک فراہم کرنا ہوتا ہے۔ ہر ایک شئے کی غذا اس کی طبیعت اور خواہش کے مطابق ہوتی ہے۔ بدن کی خوراک اس کی غذا اور سردی گرمی سے تحفظ ہے جبکہ دل کی خوراک معرفت الٰہی ہے۔ بدن کی حفاظت دل کے لئے ہے کیونکہ بدن دل یا روح کا قلعہ ہے لیکن اکثر لوگ بدن کی ضروریات مثلاً کھانا، پہننا اور مکان وغیرہ ہی کو مقصد حیات سمجھ لیتے ہیں۔[۵] حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا ہے کہ عارف کے دل میں اس دنیا کی چیزوں اور اس کی موجودات و واقعات کا رائی برابر وزن نہیں رہتا۔[۶] اسے صرف اس بات سے غرض ہوتی کہ وہ خود بندگی سے باہر قدم نہ رکھے۔

علی ہجویریؒ کے نزدیک معرفت الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔

علمی اور حالی۔[۷] علمی معرفت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں انسان کا علم صحیح ہو اور حالی معرفت یہ ہے کہ بندے کا حال اس کی عملی زندگی کا آئینہ دار ہو۔ لیکن انسان صرف کوشش ہی کر سکتا ہے کیوں کہ اس کی معرفت صرف اس کی عنایت پر منحصر ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بتائی ہوئی راہ پر چلتا رہے اور اس کی رحمت کی امید رکھے۔ کیوں کہ نہ جانے کب اس پر رحمت کی بارش کا نزول ہونے لگے۔ صوفیائے کرام اسی لئے اپنے آپ کو ہر دوسری چیز سے علیحدہ کر کے جنگلوں میں رہائش اختیار کرتے ہیں تاکہ خدا کے فضل و کرم سے مستفید ہوسکیں اور کوئی دوسری چیز ان کی توجہ اپنی طرف مبذول نہ کرا سکے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خواہشات ہی ہیں جو انسان کو بندگی کے راستے پر چلنے سے روکتی ہیں اور ان ہی کا توڑ تصوف کا راستہ ہے۔

تصوف اور طریقت کی راہ اختیار کرنے کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان زندگی کو نفاق سے پاک کر کے خدا کی بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اس راہ پر پہلا قدم صحیح اور قابل اعتماد علم کا حصول ہے۔ علم کے بعد دوسرا قدم معرفت ہے۔ علم اور معرفت میں یہ فرق ہے کہ علم کے معنی کسی چیز کو جاننے کے ہیں۔ قطع نظر اس بات کے کہ وہ علم جاننے والے کے عقیدہ و عمل پر کوئی اثر ڈالے یا نہ ڈالے لیکن معرفت کے معنی اس علم کے اپنے جاننے والے کی زندگی کا ایک جزو لاینفک بن جانے کے ہیں۔ معرفت حاصل ہو جانے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ آدمی کے عقیدہ و عمل سے لے کر اس کی عادات و خصائل تک زندگی کا کوئی گوشہ اس کے علم کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ گویا عالم اپنے علم سے حقیقت کو بیان کرتا ہے اور عارف اپنے حال سے۔[۸]

صوفیائے کرام کے نزدیک رب کو پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے رب کو پہچانے اور اپنی صفات سے اپنے مالک کی صفات کو جانے اور اپنی سلطنت یعنی اپنے بدن کے اعضاء پر اسے جو تصرف حاصل ہے اس کے ذریعے اس تصرف اور اختیار کو سمجھے جو اللہ تعالیٰ کو تمام جہان میں حاصل ہے۔ انسان جب یہ سوچتا ہے کہ جیسے وہ اپنے بدن پر حواس اور دیگر محسوسات جیسے غم، غصہ، درد، عقل کے ذریعے حکومت کرتا ہے اسی طرح خدا بھی اپنی صفات کے ذریعے کائنات پر حکومت کرتا ہے کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ایک بادشاہ ہی بادشاہوں کو جان سکتا ہے۔ اگر انسان کو اپنے دل و دماغ کی مملکت میں بادشاہی نصیب نہ ہوتی اور اللہ اپنی مملکت کا ہلکا سا نمونہ اس کے اندر پیدا نہ کرتا تو وہ اللہ کو کبھی نہ پہچان سکتا۔ چنانچہ انسان کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ اس نے اسے پیدا کر کے بادشاہی عنایت کی اور اپنی مملکت کے نمونہ کے طور پر انسان کو بھی سلطنت و بادشاہی عطاء کی۔[۹]

جیسے اسمائے الٰہیہ کے مفہوم جدا ہیں مگر وہ ہیں ایک ذات میں۔ اسی طرح انسان مختلف صورتوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ہیں لیکن ان میں اصل مرجع ذات حق ہے۔ تمام عالم اور خود انسان تجلی گاہ حق ہے۔ اس بات کو سمجھنا ہی اپنے رب کو پہچاننا ہے۔[۱۰]

صوفیاء کے اشغال و عبادات کا مقصد معرفت الٰہی کے حصول کے لئے اپنے اندر ایک خاص کیفیت پیدا کرنا ہے۔ اس کیفیت کو صوفیاء ''نسبت'' کا نام دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ کیفیت عبارت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انتساب اور ارتباط سے۔ پہلی نسبت جس کا بیان یہاں مقصود ہے وہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت ہی اس کی معرفت کی طرف پہلا قدم ہے۔ جب انسان خدا سے محبت کرتا ہے تو خدا اپنی محبت اس کے دل میں ڈال دیتا ہے۔ چنانچہ وہ ہر وقت اس کے خیال میں مگن رہتا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے اپنی خدمت (عبادت) میں لے لیتا ہے اور جب اسے اپنی عبادت پر لگا لیتا ہے تو اسے خلقت سے الگ کر لیتا ہے۔[۱۱] یعنی جس نے رب کو پہچانا اس نے اس سے محبت کی اور اللہ کی محبت اس کی معرفت کی نشانی ہے۔ اسی طرح جب انسان خدا سے محبت کرتا ہے وہ محبوب سے بر ملا ملاقات چاہتا ہے اور اپنی موت کا اشتیاق رکھتا ہے یعنی خود فنا ہو جانا چاہتا ہے۔[۱۲]

ایک اور نسبت اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ تمام سلسلہ ہائے صوفیاء ذکر کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں کیوں کہ یہ معرفت کی بنیادی شرائط میں سے ہے۔ ان اذکار کا مقصد بھی اپنے اندر خاص کیفیت کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ ذکر عبادات کا خلاصہ ہے۔ ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسے مردوں میں زندہ اور سوکھی گھاس میں ہرا درخت۔[۱۳] اس کے اور خدا کے درمیان سے دوئی اٹھ جاتی ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو لوگ اللہ کا ذکر کرتے ہیں ان کے یہ کلمات عرش کے گرد پھرتے ہیں اور شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ جیسی آواز پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے پڑھنے والے کا ذکر پروردگار کے پاس کرتے ہیں۔[۱۴] مجاہدہ کے اشغال و وظائف کے علاوہ خوف اور حزن بھی ایک نسبت ہے۔ صوفیاء کے نزدیک خوف خدا میں آنکھوں سے آنسوں بہانا ہی افضل ہے۔ عارف اپنے گناہوں کے سبب خدا سے نہیں ڈرتا کیونکہ گناہ تو توبہ سے باطل ہو جاتے ہیں۔ وہ اللہ کی صفت جلال سے ڈرتا ہے اور یہ گناہوں سے کامل تر خوف ہے۔[۱۵] صوفیاء کے نزدیک گریہ و حزن والا انسان معرفت کو جلد پا لیتا ہے۔[۱۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان نسبتوں سے معرفت کے سلسلے میں بلند احوال و کوائف وارد ہوتے ہیں جو علمی اور حالی دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ یہ احوال عارفین اور طالبین کی اطاعات و عبادات کے قبول ہونے کی علامت ہیں۔ ان حالات میں ان کو وہ چیزیں مشاہدہ کروائی جاتی ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ انہی احوال میں سچی فراست اور واقعہ کے مطابق مناسب بات کا سوجھ جانا' دعا کا قبول ہو جانا اور طالب جو شے اپنی پوری توجہ سے مانگ رہا ہو اس کا حصول بھی شامل ہے۔ ان کے علاوہ رویائے صالحہ (سچے خواب) بھی انہی میں شامل ہیں۔ یہ نعمتیں اللہ کی رحمت ہیں جو وہ اپنے خاص بندوں کو عطاء کرتا ہے۔ ان احوال کے بعد ایک خاص مقام آتا ہے جو ان سب سے بلند تر ہوتا ہے۔ وہ مقام ہے مقام فنا و بقاء یعنی عارف اپنی نفی کر کے خود فنا ہو جاتا ہے اور اللہ کی ذات کے ساتھ بقا حاصل کر لیتا ہے۔ معرفت الٰہی میں یہی آخری مقام ہے۔

اختتامیہ :- معرفت الٰہی کا مطلب خدا کو جاننا اور پہچاننا ہے۔ اس مقصد کے لئے صوفیاء اپنے رب سے مختلف نسبتیں پیدا کرتے ہیں۔ یہ دل کی وہ کیفیت ہے جو صوفیاء مختلف اشغال سے پیدا کرتے ہیں اور اس کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرتے اور اسے جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان نسبتوں میں خدا کے ساتھ گہری محبت' اذکار' عبادات' تلاوتِ قرآن' اپنے اندر خوف و حزن کا پیدا کرنا اور گریہ کرنا' شامل ہیں۔ ایک اور نسبت خدا کو جاننے اور پہچاننے کی یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے رب کو پہچانے اور اپنی صفات سے اپنے مالک کی صفات کو جانے۔ یعنی خود کو پہچاننا رب کو پہچاننے کی طرف ایک قدم ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جس طرح اسے اپنے بدن پر تصرف حاصل ہے اور جس طرح وہ اپنے حواس اور محسوسات کے ذریعے اپنے بدن پر اور بیرونی حالات پر قابو پاتا اور ان پر حکومت کرتا ہے اسی طرح خدا بھی کائنات کا حاکم ہے۔ خدا کو سمجھنے اور پہچاننے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان خدا کی صفات کو سمجھے اور ان کو سمجھنے کے لئے خود اپنی صفات کو جانے اور پہچانے۔

ان نسبتوں اور اذکار و مشاغل سے انسان میں کئی طرح کے احوال پیدا ہوتے ہیں۔ جو عبادات کے قبول ہونے کی علامت ہوتے ہیں۔ جن میں انسان کو وہ چیزیں مشاہدہ کرائی جاتی ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔ فراست' دعا کی قبولیت اور رویائے صادقہ بھی انہی احوال میں شامل ہیں۔ صوفیاء جو خدا کا قرب حاصل کرنے کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنا لیتے ہیں۔ وہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقصد کے لئے سخت مجاہدے کرتے ہیں اور ان کی آخری منزل فنا کی منزل ہے۔ یعنی خدا کی ذات کے اتنا قریب پہنچ جانا کہ اپنے آپ کو فنا کر کے اس کی ذات میں بقا حاصل کر لینا۔ تمام صوفیاء کی عبادات کا مقصد اسی مقام کو پانے کے لئے ہر دوسری شے کی نفی کر دینا ہے۔ اس کے لئے وہ ہر وقت اللہ کی ذات کی طرف دھیان لگائے رہتے ہیں اور اسی کے بارے میں سوچتے ہیں کیوں کہ ایک غفلت کا لمحہ ان کی تمام عمر کی محنت پر پانی پھیر سکتا ہے۔ چنانچہ صوفیاء ہر لمحے اپنے اس وقت کی حفاظت کرتے ہیں جو معرفت کے راستے میں انہیں عطا ہوتا ہے۔ اور جس کے دوران ان پر احوال وارد ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

۱- قرآن کریم، ۵۶ : ۵۶

۲- ایضاً، ۳۹ : ۶۷

۳- سید علی ہجویریؒ۔ کشف المحجوب، مترجم میاں محمد طفیل احمد، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، ۱۹۸۳ء، گیارہویں اشاعت، ۲۷۵-۲۷۶

۴- امام غزالیؒ۔ کیمیائے سعادت، مترجم، محمد سعید الرحمٰن علوی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۸۰ء، ۴۵

۵- امیر محمد اکرم اعوان، لطائف اور تزکیہ نفس، پمفلٹ، چکوال، ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دار الفرقان، ۲

۶- سید علی ہجویریؒ، حوالہ سابقہ، ۶۵

۷- ایضاً، ۲۷۶

۸- ایضاً، ۳۹۵

۹- امام غزالی، حوالہ سابقہ، ۴۵، ۵۰، ۵۲

۱۰- شیخ محی الدین ابن العربی۔ فصوص الحکم، مترجم مولانا عبدالقدیر صدیقی، لاہور، پروگریسو بکس، ۱۹۹۳ء، ۲۳۶

۱۱- شیخ ابو طالب حارثی المکی، قوت القلوب، مترجم، محمد منظور الوحیدی، جلد دوئم، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، ۱۹۸۴ء، ۱۸۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲۔ امام غزالی، حوالہ سابقہ، ۱۹۰

۱۳۔ ایضاً، ۱۷۴۔۴۷۴

۱۴۔ ایضاً، ۶۷۶

۱۵۔ شیخ ابو نصر سراج، کتاب اللمع، مترجم سید اسرار بخاری، لاہور، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء، ۷۰

۱۶۔ امام ابو القاسم القشیری، رسالہ قشیریہ، ترجمہ و تدوین، پیر محمد حسن، بہاولپور یونیورسٹی، ۱۹۷۰ء، ۲۲۵

© rasailojaraid.com